بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانعام

(۹)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ

دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے۔[۱۳۶] وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکال لانے والا ہے۔[۱۳۷] یہ ہے اللہ، تو کہاں پھرے جاتے ہو؟[۱۳۸] وہی صبح نکالنے والا ہے۔[۱۳۹] رات کو سکون کی

۱۳۶؎ یعنی ایک چھوٹے سے دانے اور چھوٹی سی گٹھلی کو دیکھو، اُسے زمین کی تہوں میں پھاڑ کر اُس سے درختوں اور پودوں کی کونپلیں کون نکالتا ہے۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ اُس نے ایک ایک بیج اور ایک ایک گٹھلی میں یہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ پھر وہی ہے جو اپنی کائنات کی ہر چیز کو اُن کی صلاحیتیں بروے کار لانے کے لیے امر فرماتا ہے۔ اِن سب چیزوں میں کیا اُس کے سوا کسی اور کا تصرف دیکھتے ہو؟ ہرگز نہیں، تم بھی جانتے ہو کہ تنہا اللہ ہے جو دانے اور گٹھلی سے لے کر پوری کائنات پر بلا شرکت غیرے حکومت کر رہا ہے۔ اِس میں کسی دوسرے کو ادنیٰ اختیار بھی ہوتا تو اِن میں سے کوئی چیز نہ وجود پذیر ہو سکتی تھی اور نہ بروے کار آ سکتی تھی۔

۱۳۷؎ مردہ سے زندہ کو نکالنے کے لیے فعل استعمال ہوا ہے۔ اِس سے مقصود تصویر حال ہے، لیکن زندہ سے مردہ کو نکالنے کے لیے فاعل کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جس میں عزم اور فیصلے کا مفہوم بھی شامل ہو گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ کوئی

سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۶﴾ وَھُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَھۡتَدُوۡا بِھَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ

چیز اُسی نے بنایا ہے[140] اور سورج اور چاند ایک حساب سے رکھے ہیں[141]۔ یہ اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیرائے ہوئے اندازے ہیں[142]۔ وہی ہے جس نے تمھارے لیے تارے بنائے تاکہ صحرا

چاہے یا نہ چاہے، خدا زندگی کو موت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اُس کا یہ قانون ایسا اٹل ہے کہ زندگی حاصل ہو جانے کے بعد کسی جان دار کو زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی، مگر خدا کا فیصلہ نافذ ہو کے رہتا ہے اور وہ اپنی یہ محبوب ترین چیز بھی اُس کے حوالے کر دینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ موت اور زندگی کا یہ قانون جس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''...آم کی بے جان گٹھلی اور گیہوں کے بے جان دانے سے ہرا بھرا درخت اور لہلہاتا ہوا پودا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اِسی سبز و شاداب درخت اور لہلہاتے ہوئے پودے پر زردی، خشکی اور مردنی طاری ہونی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک دن وہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی مشاہدہ ہم انسانوں اور حیوانوں میں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوموں اور ملتوں کے اندر بھی موت اور زندگی، عروج اور زوال کی یہی داستان برابر دہرائی جا رہی ہے۔ ایک قوم پردۂ عدم سے نکلتی ہے، ساری دنیا پر چھا جاتی ہے اور پھر وہی قوم، ایک دن آتا ہے کہ پردۂ عدم میں جا چھپتی ہے۔ موت اور زندگی کے اِس قانون سے کسی کے لیے مفر نہیں۔ اگر خدا کے سوا کسی اور کا بھی اِس کائنات میں مالکانہ و خودمختارانہ تصرف ہے تو کسی ایک گوشے ہی میں وہ اِس قانون کو باطل کیوں نہیں کر دیتا اور اگر خدا سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ یہ سب کچھ مجرد مادے یا کسی اندھی بہری طاقت کا بروز ہے تو اِس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ بروز قائم و دائم رہے، نہ اِس میں کبھی انقطاع ہو، نہ اِس کے رخ میں کوئی تبدیلی واقع ہو، نہ اِس پر کوئی تغیر طاری ہو۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۱۱۷)

۱۳۸؎ یعنی خدا کی یہ شانیں دیکھتے ہو اور اِس کے باوجود اُس کے شرکا بنانے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہو؟

۱۳۹؎ یعنی جو زمین کے اندر دفن ہونے والے دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت اور سبزہ پیدا کرتا ہے، اُس کی شانیں آسمان میں بھی دیکھو، وہی پردۂ شب کو چاک کر کے اُس کے اندر سے صبح کو نمودار کرنے والا بھی ہے۔

۱۴۰؎ اِس سے یہ اشارہ خود بخود نکلا کہ رات انسان کے لیے راحت و سکون کا بستر اِسی لیے بچھاتی ہے کہ اُس کے بعد صبح ہونی ہے جس میں اُسے معاش اور معیشت کی سرگرمیوں میں مصروف ہو جانا ہے۔

۱۴۱؎ یعنی اُن کے لیے ایک ضابطہ اور نظام الاوقات مقرر کیا ہے جس سے وہ آسمان میں ہوتے ہوئے زمین

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّ مُسۡتَوۡدَعٌ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَہُوۡنَ ﴿۹۸﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ

اور سمندر کی تاریکیوں میں اُن سے رہنمائی حاصل کرو۔ ہم نے اپنی نشانیاں اُن لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو جاننا چاہیں۔[143] وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا ہے،[144] پھر ہر ایک کے لیے ایک جاے قرار ہے[145] اور اُس کے سپرد خاک کیے جانے کی جگہ بھی۔[146] ہم نے اپنی نشانیاں اُن لوگوں کے

والوں کے لیے موسم پیدا کرتے اور دن، مہینے اور سال معین کرتے ہیں۔

۱۴۲؎ یہ جملہ اِس طریقے سے آیا ہے گویا عقل سلیم کے ساتھ اِس کائنات پر غور کرنے والے ہر دل کی صدا ہے جو بے اختیار زبان پر آ گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

۱۴۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ'۔ اِن میں فعل ارادۂ فعل کے لیے ہے۔ مدعا یہ ہے کہ نشانیاں مانگتے ہو تو دیکھ لو، علم کے سچے طالبوں کے لیے یہ نشانیاں کیا کم ہیں جو ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں۔

۱۴۴؎ یعنی آدم سے پیدا کیا ہے۔ یہ اب خارجی عالم کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد انسان کو خود اُس کی خلقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ صورت، شکل، زبان اور لہجے کے اختلافات کے باوجود تمھارا وجود اپنے جبلی تقاضوں اور فطری داعیات سے شہادت دیتا ہے کہ تم سب ایک ہی آدم کی اولاد ہو اور تمھارا خالق بھی ایک ہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ آیت میں اِس کے لیے لفظ 'اَنۡشَاَ' استعمال ہوا ہے جس کے معنی صرف پیدا کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی ہیں کہ تمھیں نشو و نما بخشی، پروان چڑھایا اور اِس طرح فروغ دیا ہے کہ اُس کی قدرت و حکمت کا ایک معجزہ بن گئے ہو۔

۱۴۵؎ یعنی رہنے بسنے کی جگہ ہے جس میں وہ اتنے دن لازماً گزارتا ہے جو اُس کے لیے مقدر ہوتے ہیں اور جو رزق لکھا ہوتا ہے، اُس سے متمتع ہو کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ چیز خود بتاتی ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے، یہ مستقر بھی اُسی کا دیا ہوا ہے، اِس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۴۶؎ اصل میں لفظ 'مُسۡتَوۡدَعٌ' آیا ہے۔ اِس کے معنی ہیں: وہ جگہ جہاں کوئی چیز امانت و ودیعت کے طور پر حفاظت سے رکھی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد کہاں رکھے جاؤ گے، اِس کی جگہ بھی اُسی پروردگار نے متعین کر رکھی ہے تاکہ جب چاہے اپنی یہ امانت زمین کی تحویل سے واپس مانگ لے۔

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ

لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھنا چاہیں[۱۴۷]۔ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس سے ہر چیز کے انکھوے ہم نے نکالے[۱۴۸]، پھر اُس سے سرسبز شاخیں اٹھائیں جن سے ہم تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے پیدا کر دیتے ہیں[۱۴۹]۔ اور کھجور کے شگوفوں سے لٹکتے ہوئے گچھے (بھی اِسی سے پیدا ہوتے ہیں[۱۵۰]) اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار بھی (ہم نے اِسی سے پیدا کیے ہیں)، جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور الگ الگ بھی[۱۵۱]۔ (اِن میں سے) ہر ایک کے پھل کو دیکھو، جب وہ پھلتا ہے

۱۴۷؎ پہلے فرمایا تھا: جو جاننا چاہیں۔ جاننے کی خواہش انسان کو حقائق کی طرف متوجہ کرتی ہے اور سمجھنے کی خواہش اُس کے اندر محسوسات سے آگے بڑھ کر دیکھنے کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔

۱۴۸؎ غائب سے متکلم کی طرف یہ التفات نہایت دل نواز ہے۔ گویا کمال رافت و رحمت سے انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے کہ ادھر دیکھو، یہ ہمیں ہیں کہ آسمان کے پانی سے تمھارے لیے کیا کچھ پیدا کر دیتے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... اِس میں رافت، عنایت اور ربوبیت کا اظہار بھی ہے اور اِس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کہ آسمان و زمین اور ابر و ہوا، سب پر ہماری ہی حکومت ہے۔ اگر آسمان پر کسی اور کی حکومت ہوتی، زمین پر کسی اور کی تو یہ توافق کہاں سے ظہور میں آتا کہ آسمان سے پانی برستا اور زمین اپنے خزانے اگل دیتی۔“ (تدبر قرآن ۳/ ۱۲۴)

۱۴۹؎ یعنی پہلے سرسبز خوشے اور بالیاں نکالتے ہیں، پھر اپنی قدرت و حکمت سے اُن پر تہ بر تہ دانے جما دیتے ہیں۔

۱۵۰؎ غلے کے بعد پھلوں کا ذکر فرمایا ہے اور اُن میں سب سے پہلے کھجور کو لیا ہے جو اہل عرب کا عام پھل تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... کھجور کا ذکر اِس طرح فرمایا ہے کہ اُس کے درخت، اُس درخت کے اندر گابھے کا پیدا ہونا اور پھر اُس سے لٹکتے ہوئے بوجھل خوشوں کا ظہور میں آنا، ہر چیز کی طرف توجہ دلا دی ہے تا کہ اُس کاری گری پر انسان کی نظر پڑے جو اُس

ذٰلِكُمۡ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾

اور اُس کے پکنے کو دیکھو، (جب وہ پکتا ہے[۱۵۲])۔ اِن کے اندر اُن لوگوں کے لیے بڑی غیر معمولی نشانیاں ہیں جو ماننا چاہتے ہیں[۱۵۳]۔ ۹۵-۹۹

کے ابتداے ظہور سے لے کر اُس کی تکمیل اور پختگی تک قدرت اُس پر صرف کرتی ہے۔ اسی کاری گری اور صنعت پر غور کرنے سے انسان کو صانع کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ اُس کی قدرت وحکمت اور اُس کی رحمت و ربوبیت کا کچھ اندازہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قدرت کا منشا اِن قدرتوں اور حکمتوں کے اظہار سے یہی ہے کہ انسان کو خدا کی معرفت حاصل ہو، ورنہ جہاں تک کھجور کی ضرورت مجرد غذا کے لیے ہے، اُس کی فراہمی کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ ایک چھوٹی سی گٹھلی سے درجہ بدرجہ ایک تناور درخت بنے، پھر ایک خاص مرحلے پر پہنچ کر اُس کے اندر گابھے اور خوشے پیدا ہوں، پھر اُن کے اندر ننھی ننھی کیریاں بیٹھیں، پھر وہ درجہ بدرجہ پھل بنیں، پھر پک کر اور بوجھل ہو کر اُن کے خوشے زمین کی طرف لٹک آئیں اور انسان کو زبانِ حال سے دعوتِ شوق دیں۔ یہ سارا اہتمام، دل گواہی دیتا ہے کہ اسی لیے ہے کہ انسان پر خدا کی قدرت، اُس کی ربوبیت اور اُس کی حکمت کے اسرار ظاہر ہوں۔'' (تدبرقرآن ۳/۱۲۵)

۱۵۱؎ یہ اہل عرب کے معروف پھل تھے، اِس لیے صرف اُنھی کا ذکر کیا ہے اور اِن میں بھی خاص طور پر اُس گونا گونی اور بوقلمونی کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے خدا کی ربوبیت، رحمت، فیاضی اور قدرت وحکمت کی شان نمایاں ہوتی ہے۔

۱۵۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'اُنۡظُرُوۡٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثۡمَرَ وَيَنۡعِهٖ'۔ 'يَنۡعِهٖ' کے بعد 'اذا اینع' کے الفاظ عربیت کے اسلوب پر حذف ہو گئے ہیں۔ 'اِلٰی ثَمَرِہٖٓ' میں ضمیر کا مرجع اوپر کی سب چیزیں ہیں، لیکن یہ واحد اس لیے لائی گئی ہے کہ ہر چیز کو الگ الگ لے کر اُس پر غور کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''فرمایا کہ اِن میں سے ایک ایک چیز کو لے کر اُس کے پھلنے سے لے کر اُس کے پکنے کے مراحل تک ہر مرحلے کو دیکھو اور اُس پر غور کرو تو خالق کی قدرت، حکمت، ربوبیت، صناعی، کاری گری، باریک بینی، فیض بخشی اور اُس کے حسن وجمال کی اتنی نشانیاں اور اتنی شہادتیں تمھارے سامنے آئیں گی کہ تم اُن کو شمار نہیں کر سکو گے۔ تم ایک نشانی اور ایک معجزہ مانگتے ہو، آنکھیں ہوں تو ہر شاخ معجزہ، ہر پھول معجزہ، ہر پھل معجزہ۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کے اندر قدرت کے اعجاز کے ہزاروں شاہ کار جلوہ نما نہ ہوں۔ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ دنیا اپنے بقا کے لیے اِن تمام عجائب کی نمایش کی محتاج نہ تھی۔ یہ بالکل سادہ اور بے رنگ حالت میں بھی وجود میں آ سکتی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ وَ خَلَقَہُمۡ وَ خَرَقُوۡا لَہٗ بَنِیۡنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ

لیکن (اِن کی سفاہت کا یہ عالم ہے کہ) اِنھوں نے جنوں میں سے خدا کے شریک ٹھیرا دیے ہیں[۱۵۴]،

اور باقی رہ سکتی تھی، لیکن خالق کائنات نے یہ پسند فرمایا کہ ایک ایک پھول اور ایک ایک پتی سے اُس کی عظیم قدرت و حکمت اور اُس کی بے نہایت رحمت و ربوبیت ظاہر ہو تا کہ انسان اُس کی معرفت حاصل کرے۔ لیکن یہ انسان کی عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنی ذہانت کے مظاہرے کا اتنا شوقین ہے کہ اگر ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے مدفون کھنڈروں سے کوئی ٹوٹا ہوا مٹی کا مرتبان بھی اُس کو ہاتھ آ جائے تو اُس پر کھنچی ہوئی آڑی ترچھی لکیروں سے وہ اُس عہد کے آرٹ، اُس عہد کے کلچر، اُس عہد کی تہذیب، اُس دور کے مذہب، اُس دور کی سیاست، غرض ہر چیز پر ایک مزعومہ فلسفہ اور ایک فرضی تاریخ تیار کر دے گا، دوسری طرف اُس کی بلادت اور بدذوقی کا یہ عالم ہے کہ خالق کائنات نے ایک ایک پتی پر اپنی حکمت کے جو دفاتر رقم فرمائے ہیں، نہ اُن کا کوئی حرف اُس کی سمجھ میں آتا ہے نہ اُن سے اُسے کوئی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۱۲۷)

۱۵۳؎ یعنی ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ جائے تو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ علم اور تفقہ کے ساتھ یہ تیسری چیز بھی ضروری ہے۔ یہ نہ ہو تو آدمی سامنے پڑی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ اِس طرح کے لوگوں کے لیے اِس بات کی غیرمعمولی نشانیاں ہیں کہ اِس کائنات کی خدائی اگر مختلف دیوتاؤں اور خداؤں میں بٹی ہوئی ہوتی تو رائی کا ایک دانہ بھی اپنی صلاحیتیں اجاگر نہیں کر سکتا تھا؛ موت وحیات کا کارخانہ جس تواتر کے ساتھ اور ایک قانون اور قاعدے کے مطابق چل رہا ہے، ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتا تھا؛ رات اور دن میں یہ توافق اور سازگاری ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک انسان کے لیے راحت کا بستر بچھائے اور ایک اُس کے لیے معاش اور معیشت کی سرگرمیوں کا میدان گرم کر دے؛ آسمان کے تارے زمین والوں کے لیے شمع برداری کی خدمت انجام نہیں دے سکتے تھے؛ انسان اُن تنوعات کے ساتھ جو ہر قوم اور قبیلے سے نمایاں ہیں، ایک ہی سمت میں تہذیب کا سفر جاری نہیں رکھ سکتے تھے؛ زندگی، رزق اور اسباب و وسائل میں ایک دوسرے کے لیے ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی؛ کائنات کے اجزاے مختلفہ اِس قدر تدبیر و حکمت کے ساتھ انسان کی زندگی کے بقا کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے۔ یہ حقائق گواہی دیتے ہیں کہ سورج، چاند، ابر و ہوا، نور و ظلمت، سردی گرمی، بہار و خزاں، زمین و آسمان، غرض یہ کہ کائنات کی ہر چیز پر ایک ہی قادر و قیوم کی حکمرانی ہے۔ اِس کائنات کو بنانے اور اِس کو چلانے میں کوئی بھی اُس کا شریک نہیں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ

دراں حالیکہ اُسی نے اُنھیں پیدا کیا ہے[۱۵۵] اور بغیر کسی علم کے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تصنیف کر لی ہیں[۱۵۶]۔ وہ پاک اور بالاتر ہے اُن سب چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں[۱۵۷]۔ وہ تو زمین و آسمان کو عدم

ہے۔ الا له الخلق والامر، تبارك الله رب العلمين۔

۱۵۴؎ یعنی اِس کے باوجود کہ خدا کی یہ شانیں شب و روز دیکھتے ہیں، لیکن اِن احمقوں کی خرد باختگی، سفاہت اور بوالفضولی دیکھو کہ جنوں اور بھوتوں کو اُس کا شریک ٹھیراتے ہیں اور اِس طرح گویا اپنے توہمات کو خدا بنا کر اُن کی پرستش کر رہے ہیں۔

۱۵۵؎ یہ کلام کے بیچ میں ایک جملۂ معترضہ ہے جس سے بلا تاخیر اِس لغویت کی تردید فرما دی ہے کہ خدا کی ایک مخلوق اُس کی شریک بھی ہو سکتی ہے۔

۱۵۶؎ اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیوں کا درجہ دیتے اور اُن کی مورتیں بنا کر دیویوں کی حیثیت سے اُن کی پوجا کرتے تھے۔ یہی معاملہ مسیحیوں نے سیدنا مسیح کے ساتھ کیا اور اُنھیں خدا کا بیٹا بنا دیا۔ یہ سب بغیر کسی عقلی یا نقلی دلیل کے کیا گیا۔ نہ خدا نے کبھی اِس کی شہادت دی اور نہ عقل و فطرت کے اندر کوئی چیز کبھی اِس کے حق میں پیش کی جا سکی۔

۱۵۷؎ اصل میں لفظ ’سُبۡحٰنَهٗ‘ آیا ہے۔ یہ تنزیہ کا کلمہ ہے، لیکن اِس کے اندر توحید کی نہایت واضح دلیل بھی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...عقل و فطرت کا یہ بدیہی تقاضا ہے کہ کسی چیز کی طرف کوئی ایسی صفت منسوب نہ کی جائے جو اُس کی ثابت، مسلم اور بدیہی صفات کے ضد یا منافی ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی ہی مانی ہوئی ایک حقیقت اپنے ہی دوسرے مفروضے سے باطل ہو جاتی ہے۔ اگر ایک شخص بادشاہ ہے تو اُس کی طرف غلامی کی صفات منسوب نہیں ہو سکتیں۔ فرشتہ ہے تو اُس کو شیطان کی صفات سے ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی طرح جو ذات خالق، مالک، قدیر، علیم اور کریم و رحیم ہے، اُس کو اُن صفات سے متصف کرنا جو مخلوق کی صفات ہیں، اُس کی اُن تمام صفات کی نفی کے ہم معنی ہے جن کا ماننا از روے عقل و فطرت واجب ہے اور جن کی نفی سے انسان اُن تمام تاریکیوں میں پھر گھر جاتا ہے جن سے اِن صفات کے علم کی روشنی ہی نے اُس کو نکالا تھا۔ اگر خدا کو خدا ماننے کے بعد بھی جنات اور فرشتوں کو اُس کا شریک قرار دے دیا گیا اور اُس کو بیٹوں اور بیٹیوں کا باپ بنا دیا گیا تو پھر وہ خدا کہاں رہا؟ پھر تو اُس کے کفو و ہم سر بھی پیدا ہو گئے، اُس کی ذات برادری کے شریک بھی نکل آئے اور اُس کے مدمقابل

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾
قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ

سے وجود میں لانے والا ہے۔ اُس کے اولاد کہاں سے آئی، جبکہ اُس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔[158] اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[159] وہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا اُسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ اُس کو نگاہیں نہیں پا سکتیں، لیکن وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔[160] وہ نہایت باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔[161] ۱۰۰-۱۰۳

تمھارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کی آیتیں تمھارے پاس آ چکی ہیں۔ چنانچہ اب جو بصیرت

اور حریف بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۱۳۰)

۱۵۸؎ یعنی جب اُس کی بیوی نہیں مانتے تو اولاد کہاں سے پیدا کر لیتے ہو؟ تمھیں بھی تسلیم ہے کہ وہی سب کا خالق ہے، پھر تعجب ہے کہ اُس کے پیدا کیے ہوئے فرشتوں، جنات اور انسانوں کو اُس کی ذات اور اُس کی خدائی میں شریک ٹھیراتے ہو۔

۱۵۹؎ یعنی جب اُس نے پیدا کیا ہے اور وہ اپنی مخلوقات کی ایک ایک چیز سے واقف بھی ہے تو اُس کو چھوڑ کر کسی اور کے آستانے پر جانے اور سر جھکانے کی کیا ضرورت ہے؟

۱۶۰؎ مطلب یہ ہے کہ تم اُسے نہیں دیکھ سکتے تو کیا ہوا۔ اِس کا نتیجہ کیا یہی ہونا چاہیے کہ اُس کی ذات کے مظاہر اور اوتار بنا کر اُنھیں پوجنا شروع کر دو اور اِس حماقت کی توجیہ یہ پیش کرو کہ خوگر پیکر محسوس ہے انسان کی نظر؟ ہرگز نہیں، اُس کی نگاہیں تو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھتی ہیں، لہٰذا تمھارے ایمان، اعتماد اور بندگی و اطاعت کے لیے یہی کافی ہے اور یہی کافی ہونا چاہیے۔

۱۶۱؎ لہٰذا تم سے باخبر رہنے کے لیے اُسے اُن مزعومہ وسائل و وسائط کی کوئی ضرورت نہیں ہے جن پر تم بھروسا کیے بیٹھے ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ وَلِيَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ
لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾
وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۷﴾

حاصل کرے گا، اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنا رہے گا، اُس کا وبال بھی وہی اٹھائے گا اور (جہاں تک میرا تعلق ہے تو) میں تم پر کوئی نگران نہیں ہوں[۱۶۲]۔ ہم اپنی آیتیں اِسی طرح مختلف اسلوبوں سے پیش کرتے ہیں، (اِس لیے کہ اُن پر حجت قائم ہو[۱۶۳]) اور اِس لیے کہ وہ بول اٹھیں[۱۶۴] کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا اور اِس لیے کہ ہم اُن لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں، اِسے ہر لحاظ سے واضح کر دیں۔ ۱۰۴-۱۰۵

تم اُس چیز کی پیروی کرتے رہو، (اے پیغمبر)، جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر وحی کی جا رہی ہے۔ (حقیقت یہی ہے کہ) اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور (یہ نہیں مانتے تو) اِن مشرکوں کو جانے دو۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ کبھی شرک نہ کر پاتے۔ ہم نے اِن پر تمھیں نگران مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم اِن کے ضامن ہو[۱۶۵]۔ ۱۰۶-۱۰۷

۱۶۲؎ یہ الفاظ براہ راست لسان نبوت پر ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یوں ارشاد نہیں ہوا کہ اِن لوگوں سے کہہ دو، بلکہ کہنے کی بات پیغمبر نے خود براہ راست فرما دی۔ وحی کی یہ قسم روح نبوت کے غایت قرب و اتصال کی دلیل ہوتی ہے۔ گویا منبع فیض کا فیضان خود زبان رسالت سے چھلک پڑتا ہے۔ 'گفتۂ او گفتۂ اللہ بود' شاید اِسی حقیقت کی تعبیر ہے۔“ (تدبر قرآن ۳/ ۱۳۳)

۱۶۳؎ یہ 'وَلِيَقُوۡلُوۡا' کا معطوف علیہ ہے جو عربیت کے اسلوب پر اصل میں محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۱۶۴؎ یعنی زبان سے بے شک اقرار نہ کریں، مگر اپنے دل میں پکار اُٹھیں کہ تو نے اِس طرح پڑھ کر سنایا ہے کہ گویا کتاب کو گھس ڈالا ہے اور اِس طرح احقاق حق کا حق ادا کر دیا ہے۔

۱۶۵؎ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا کہ اِنھیں جبراً شرک سے روک دے تو یہ کبھی شرک نہ کر پاتے، لیکن اُس کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۸﴾

(یہ جس سفاہت میں مبتلا ہیں، اُس کے باوجود) تم لوگ اُنھیں گالی نہ دو جنھیں اللہ کے سوا یہ پکارتے ہیں، مبادا تجاوز کر کے یہ بن سمجھے اللہ کو گالیاں دینے لگیں[۱۶۶]۔ (اِس لیے کہ) ہر گروہ کے عمل کو ہم نے اِسی طرح اُس کے لیے خوش نما بنا رکھا ہے[۱۶۷]۔ پھر (ایک دن) اُنھیں اپنے پروردگار کی طرف پلٹنا ہے۔ اُس وقت وہ اُنھیں بتا دے گا جو وہ کرتے رہے ہیں[۱۶۸]۔ ۱۰۸

مشیت یہی ہے کہ لوگوں کو اختیار دے کر اُن کا امتحان کرے کہ کون توحید کی صراط مستقیم پر چلتا ہے اور کون شرک کی راہ اختیار کرتا ہے۔ تم نہ اِن پر داروغہ مقرر کیے گئے ہو اور نہ اِن کے ضامن ہو کہ نہیں مانیں گے تو جواب دہ ٹھیرائے جاؤ گے، اِس لیے اپنی ذمہ داری ادا کرو اور اِنھیں اِن کے حال پر چھوڑ دو، یہ اپنے کرتوتوں کا خمیازہ خود بھگت لیں گے۔

۱۶۶؎ یہ ایک برمحل ہدایت ہے اور اِس لیے کی گئی ہے کہ شرک پر جو تنقید اوپر ہوئی ہے، اُس کے زیر اثر مسلمان کہیں حدود سے تجاوز نہ کر بیٹھیں۔ عقل و انصاف یہی چاہتے ہیں کہ بات ہمیشہ اصول و عقائد اور افکار و نظریات کی تنقید و توضیح تک محدود رہے۔ پھر دعوت کے نقطۂ نظر سے بھی صحیح طریقہ یہی ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ مخاطبین چونکہ خدا کی صفات اور اُس کے حقوق کا صحیح علم نہیں رکھتے، اِس لیے وہ بھی حدود سے تجاوز کریں اور جھوٹے خداؤں کی حمیت میں سچے خدا کو گالیاں دینے لگیں۔

۱۶۷؎ یہ مزید تنبیہ ہے۔ مدعا یہ ہے کہ رسوم، روایات اور معتقدات کی محبت خود اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی فطرت میں ودیعت فرمائی ہے۔ چنانچہ عقائد و اعمال کی تطہیر ضرور کی جائے، مگر اِس کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جو اِن چیزوں کے لیے لوگوں کے جذبۂ حمیت کو بھڑکانے کا باعث بن جائے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''یہاں 'تزئین' کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جو منسوب فرمایا ہے، یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر قوم کے اندر اپنی مالوفات سے دل بستگی اور اپنی روایات ملی و اجتماعی کے لیے یہ عصبیت ایک حد تک فطری چیز ہے۔ یہ نہ ہو تو قومی و ملی وحدت وجود ہی میں نہیں آ سکتی۔ خاندانوں، قوموں، وطنوں کی شیرازہ بندی اِسی چیز سے ہوئی ہے۔ یہ معدوم ہو جائیں تو افراد ہوا میں اڑتے ہوئے پتوں کے مانند ہو جائیں۔ اِس وجہ سے اِس چیز کا ایک مقام ہے جو تقاضائے فطرت ہے اور اِس کی رعایت ملحوظ ہونی چاہیے۔ اِس سے تعرض اُسی حد تک ہونا چاہیے جس حد تک یہ حق

کے خلاف ہے اور اُس انداز میں ہونا چاہیے جس سے خود اِس کا واجبی حق مجروح نہ ہو۔‘‘ (تدبرقرآن ۳/۱۳۶)

۱۶۸؎ یعنی مطمئن رہو، تمھارا کام اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ حق واضح کر دیا جائے۔ یہ اپنی حماقتوں پر اصرار کریں گے تو خود مجرم ٹھیریں گے اور جواب دہی کے لیے ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہو جائیں گے۔ وہاں جو کچھ بھگتنا ہے، اِنھیں بھگتنا ہے۔ اُس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہ ہو گی۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com